Vol.4No.2 2021

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

فیض احمد فیض اور احمد فراز کی نظموں میں فکری اِشتراکات

Convergences in the poems of Faiz Ahmed Faiz and Ahmed Faraz

[1]ڈاکٹر محمد محسن (ساحل سلہری)[2]، ڈاکٹر عرفان توحید [3]، جاوید اقبال

Abstract

Faiz Ahmed Faiz and Ahmed Faraz are among the prominent poets of progressive thought. Their poems are full of social problems and sorrows. They have a combination of romance, politics, and revolution. Faiz and Faraz moved from the blur of romance to social issues and progressive realism. They have raised their voices against oppression, injustice and imperialism. They call the era of slavery an era of imprisonment, enchainment and coercion and deprivation. They have lit the lamp of determination, hope and encouragement in the darkness of depression, humiliation and despair. Their poetry is full of hatred against hunger, disease, poverty, famine, labor, peasantry, destruction, unemployment, ignorance and class system. Some of style of Faiz and Faraz's Poems are similar to those of romantic poets. The effects of Faiz on Ahmed Faraz are noticeable. Many of Faraz's poems are similar to those of Faiz. Perhaps he kept in mind the same background and circumstances that Faiz was facing. Faraz is very similar to Faiz on the intellectual level. Faraz has recited several poems in the style of Faiz. Many of his poems intellectually and phasis commonness to Faiz's poems. Faiz's Style and diction can be seen in most of Faraz's poems.

Keywords: Faiz Ahmed Faiz, Ahmed Faraz, Poems, Progressive thought, Social, Political, Revolution, Imperialism, Class system, Intellectual commonness.

فیض احمد فیض کا شمار ترقی پسند تحریک کے ممتاز شعرا میں ہوتا ہے، ان کی شاعری میں سماجی مسائل اور دکھوں کا بھرپور اظہار ملتا ہے۔ ان کی شاعری غمِ جاناں اور غمِ دوراں سے ہم آمیز ہے۔ فیض کی پہلے دور کی نظمیں رومانی ہیں ان میں ایک تخیلی دنیا بسائی ہوئی ہے۔ انھوں نے قفس، صیاد، نور، ساقی، گلشن، ناصح، محاسب کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کے یہاں رومانیت، سیاست اور انقلاب کا امتزاج ملتا ہے۔ فیض رومانیت کے دھندلکوں سے نکل کر سماجی مسائل اور ترقی پسند حقیقت نگاری کی طرف آئے اس کی عمدہ مثال اُن کی نظم "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ" ملاحظہ کیجیے:

مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
میں نے سمجھا تھا کہ تو ہے تو درخشاں ہے حیات
تیرا غم ہے تو غم دہر کا جھگڑا کیا ہے
جا بجا بکتے ہوئے کوچہ و بازار میں جسم
خاک میں لتھڑے ہوئے خون میں نہلائے ہوئے
لوٹ جاتی ہے ادھر کو بھی نظر کیا کیجیے
اب بھی دلکش ہے ترا حسن ، مگر کیا کیجیے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں محبت کے سوا(۱)

[1] سیال کوٹ، پنجاب، پاکستان

[1] اَسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

[3] لیکچرار، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فیض احمد فیض نے ظلم و نا انصافی اور سامراج کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے مگر ان کی شاعری میں نفرت، دشمنی اور انتقام نہیں ملتا بل کہ انھوں نے بڑا مہذب لہجہ اپنایا ہے۔ انھوں نے آزاد اور جمہوری نظام کی بات کی ہے، وہ غلامی کے عہد کو قید و بند، زنجیر و سلاسل اور مجبوری و محرومی کا دور قرار دیتے ہوئے نظم "چند روز اور مری جان" اس کی اہم مثال ہے۔ آزادی کا خواب فیض کی دوسری نظموں میں بھی ملتا ہے۔ وہ اپنی مقبول نظم "بول" میں آزادیِ اظہار و خیال کا پرچم یوں بلند کرتے ہیں:

بول ، کہ لب آزاد ہیں تیرے
بول ، زباں اب تک تیری ہے
تیرا سُتواں جسم ہے تیرا
بول ، کہ جاں اب تک تیری ہے(۲)

فیض کی نظم "بول" میں آہن گر کی دکان، سرخ آہن، تند شعلے، قفلوں کے دہانے، زنجیر کا دامن مزاحمتی علامات ہیں۔ یہ نظم فیض نے اس وقت لکھی جب تحریک آزادی عروج پر تھی۔ آہن گر کی دکان، برطانوی سامراج کی علامت ہے اور دیگر علامات ان کے مظالم کو ظاہر کرتی ہیں۔ فیض کی نظموں میں استعمال ہونے والی علامات میں بغاوت کا رجحان، مزاحمت، قید و بند اور غلامی و آزادی کے تصورات کا اظہار ہے۔ فیض کے سینے میں انسان کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اس درد کو اپنا سب سے بڑا درد خیال کرتے ہیں اور اپنی حسرتوں اور نا آسودہ خواہشات کا خوب ذکر کرتے ہیں۔ انھوں نے ظلم کی چکی میں پسے ہوئے اور درد میں ڈوبے انسان کی ترجمانی کی ہے۔ ان کی نظموں "موضوع سخن" اور "ہم لوگ" میں ظلم اور درد سے سسکتے اور تڑپتے ہوئے انسانوں کے چہرے نظر آتے ہیں۔ فیض نے قنوطیت کے مقابلے میں رجائیت کا پہلو پیش کیا ہے، انھوں نے افسردگی، مایوسی، پستی، ناامیدی، اندھیروں میں، پر عزم، پر امیدی، حوصلہ مندی اور بانکپن کا چراغ جلایا ہے۔ انھوں نے لوگوں کو زندہ رہنے اور ظلم سے ٹکر لینے کے لیے بہت پر جوش اور ولولہ انگیز فکر عطا کی ہے۔ فیض کے کلام میں ارمانوں اور خوابوں کا خون اور شکست کے نغمے ہیں مگر اس شکست میں قنوطیت اور فرار نہیں۔ ان کی متعدد نظموں میں عنفوانِ شباب کی تصویریت ملتی ہے۔

فیض احمد فیض مساوات، احترام آدم اور انسانی حقوق کی بات کرتے ہیں، انھوں نے اپنی شاعری سے عوام کی جدوجہد کو غیر معمولی تقویت دی ہے۔ فیض کے اولین شعری مجموعہ "نقش فریادی" میں ترقی پسند فکر کی پرچھائیاں نظر آتی ہیں لیکن اس مجموعے میں شامل زیادہ کلام رومانی طرزِ احساس کا ہے اس میں قدیم روایت اور سماج کی بعض اقدار سے بغاوت کا عنصر شامل ہے۔ "نقشِ فریادی" کی نظموں میں شدت احساس اور جذبات کی تیزی ملتی ہے مگر کچھ نظمیں ظلم و تعدی اور معاشرے کے تلخ حقائق کی ترجمان ہیں۔ ان کی شاعری پر دوسری جنگ عظیم کا بھی اثر پڑا۔ جنگ عظیم کے دور میں فیض فوج میں ملازم ہو گئے اور ۱۹۴۶ء تک اس سے وابستہ رہے۔ انھوں نے "پاکستان ٹائمز" کی ادارت سنبھالنے کے بعد کارخانوں اور مزدوروں کی مختلف انجمنوں میں دلچسپی لی اس بنا پر انھیں "راولپنڈی سازش" کیس میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ "دست صبا" اور "زنداں نامہ" کی شاعری فیض کی ایام اسیری کی یادگار ہے۔ اس اسیری کے بعد ان کی زبان پر خاموشی کی مہریں ثبت کر دی گئیں لیکن پھر بھی ان کی خون میں انگلیاں ڈبونے کی روش نہ بدلی اور کہہ اٹھے:

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں اُنگلیاں میں نے
زباں پہ مُہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے(۳)

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فیض کا محبوب موضوع ۱۹۴۷ء سے پہلے آزادی تھا اور بعد میں ایک صحت مند معاشرے کی تعمیر کو انھوں نے نصب العین بنالیا۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے فیض کا غم صرف آزادی تھا اور تقسیم کے بعد ان کا غم بڑھا ہوا دکھائی دیتا ہے، کیوں کہ اس میں معاشی و سماجی زندگی کو تبدیل کرنے کی ایک بے کراں آرزو اور ایک مستقل خلش ہے۔ بیسویں صدی میں ترقی پسند فکر کا جو سلسلہ اقبال وجوش سے شروع ہوا اسے فیض نے مضبوط روایت کی صورت میں آگے بڑھایا، ان کی شاعری میں بھوک، بیماری، افلاس، قحط، مزدور ،کسان، تباہ کاری، بے روزگاری، جہالت اور طبقاتی نظام کے خلاف نفرت پائی جاتی ہے۔ فیض کی شاعری رومانیت اور ترقی پسند فکر کا حسین امتزاج ہے، اس سے متعلق نگہت ناہید ظفر لکھتی ہیں:

> "فیض نے اردو شاعری کو رومانوی مزاج اور ترقی پسند انقلابیت کی ایک نئی زندہ اور تازہ تصویر پیش کی۔ فیض کی ترقی پسندی اور رومانوی فکر کا ہی کرشمہ ہے کہ فیض کی شاعری میں غم جاناں اور غم دوراں کی دونوں لہریں مل کر ایک دھارے میں تبدیل ہوگئی ہیں۔" (۴)

انگریزی رومانوی شعرا بائرن اور شیلے کا اثر فیض پر کچھ اس لیے بھی گہرا پڑا کیوں کہ وہ انگریزی ادب کے طالب علم تھے۔ انگریزی ادب سے وابستگی کی وجہ سے فیض ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے باوجود بھی رومانوی رہے۔ فیض کی نظم "حسینۂ خیال سے" رابرٹ براؤننگ کی نظم کا ترجمہ ہے اور فیض کی نظم "مرگِ سوزِ محبت" ییٹس کی نظم "The Lover Mourns for the Loss of Love" اور "مری جاں اب بھی اپنا حسن واپس پھیر دے مجھ کو" ییٹس کی نظم "He Remembers Forgotten Beauty" ہی کا عکس ہے۔ انگریزی رومانوی شعرا میں سب سے زیادہ شیلے نے فیض کو متاثر کیا کیوں کہ فیض کی متعدد نظموں کی رومانوی فضا شیلے کی سی ہے۔ اس طرح کی نظموں میں "انتظار"، "تہِ نجوم"، "سرودِ شبانہ" اور "میرے ندیم" شامل ہیں۔ فیض کے اولین شعری مجموعہ "نقش فریادی" کا قطعہ دیکھیے اس میں شیلے کی نظم "Memory" کا رنگ نظر آتا ہے:

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آ جائے(۵)

فیض کا رومانوی طرز احساس شیلے کی طرح ہے اس میں شیلے جیسا جمالیاتی پہلو دکھائی دیتا ہے۔ فیض کی شاعری میں سکوت، چاندنی، تارے کی اور نیم شب بائرن کی طرح کے ہیں وہ بائرن سے بھی متاثر تھے۔ ان کا جمالیاتی احساس اور غنائیت بڑی دلکش ہے۔ شاید انھوں نے یہ غنائی لہجہ انگریزی ادب سے لیا ہو، ان کی نظم "تنہائی" ملاحظہ ہو:

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہو گا ، کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات ، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کر دو شمعیں ، بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کر لو

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اب یہاں کوئی نہیں ، کوئی نہیں آئے گا(۶)

اس نظم میں الم اور حزن و ملال کیٹس جیسا،اس کی غنائیت شیلے کی سی اور اس کی تخیلاتی دنیا ییٹس جیسی ہے۔ڈاکٹر آغا سہیل، فیض کی شاعری کے بارے میں رقم طراز ہیں:

"فیض کی رومانی شاعری ایک ایسی قوم کی آزادی کا خواب ہے جو جبر اور استعماریت میں جکڑی ہوئی ہے اور ان زنجیروں کو توڑ کر آزاد فضا میں سانس لینا چاہتی ہے۔"(۷)

فیض احمد فیض احساس کے شاعر ہیں رومانوی المیہ پسندی اور جمالیاتی احساس ان کی نظموں "اے روشنیوں کے شہر" اور "نثار میں تری گلیوں کے اے وطن کہ جہاں" میں نمایاں ہے۔فیض کی شاعری میں نظریہ اور جذبہ دونوں کی فراوانی ہے۔انھوں نے اپنے نظریے کو اس انداز میں پیش کیا کہ ان کی حقیقت نگاری علامتی روپ میں ڈھل گئی،انھوں نے الفاظ کو ایسا احساس دیا کہ انھیں سیاست آشنا کر دیا۔انھوں نے نئے استعارے اور تراکیب بھی تخلیق کیں اور مستعمل تشبیہات و استعارات کو تابندگی بھی عطا کی۔فیض کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے سرخ، سویرا، حریری پرچم، کاغذی ملبوس اور گلنار ہاتھ وغیرہ جیسے مخصوص الفاظ استعمال کر کے نظموں کی شعریت زائل نہیں ہونے دی۔فیض احمد فیض ایسے شاعر ہیں جنھوں نے عامتہ الناس کے مشترک مصائب اور راحتوں کی موثر ترجمانی کی ہے۔نہ وہ ذوقِ جمال سے کٹے ہوئے نظر آتے ہیں اور نہ ہی اپنے ماحول اور سوسائٹی سے الگ دکھائی دیتے ہیں۔

فیض کے شعری عمل میں رات، سحر، ظلمت، سویرا، پرچم اور شفق وغیرہ بنیادی رجحانات کی علامتیں ہیں۔فیض نے ان علامتوں کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا ہے،انھوں نے "رات" کو پرانے نظام اور روایات کے لیے استعمال کیا ہے اور "سحر" کو مستقبل کے لیے، خوابوں اور امید سے تعبیر کیا ہے۔فیض کے اس علامتی اور تکنیکی عمل کا آغاز ان کے شعری مجموعہ "دست صبا" کی نظم "اے دلِ بیتاب ٹھہر" سے ہوتا ہے۔اس نظم میں "رات" قدیم روایات اور نظام جب کہ "سحر" مستقبل اور نئی اقدار کا علامتی اظہار ہے:

تیرگی ہے کہ امنڈتی ہی چلی آتی ہے
شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے
چل رہی ہے کچھ اس انداز سے نبضِ ہستی
دونوں عالم کا نشہ ٹوٹ رہا ہو جیسے
رات کا گرم لہو اور بھی بہ جانے دو
یہی تاریکی تو ہے غازۂ رخسارِ سحر
صبح ہونے ہی کو ہے اے دلِ بے تاب ٹھہر(۸)

رات، صبح، سحر، اجالا، روشنی اور امید وغیرہ کی یہی علامتیں "اے دلِ بیتاب ٹھہر"، "سرِ مقتل"، "سیاسی لیڈر"، "ملاقات" اور "اگست ۱۹۵۲ء" میں نظر آتی ہیں اور ان کے معنوی حوالے میں بھی کسی صورت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی بعد میں فیض کی یہی علامتیں ترقی پسند شاعری میں روایت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔نظم "ملاقات" فیض کے خوب صورت علامتی تصور کو پیش کرتی ہے۔اس نظم میں "رات" مرکزی علامت ہے اور ستارے، مہتاب، نور، سیاہی اور نہر خون جیسے تلازمات بھی رات کی معنوی حیثیت کا اظہار ہیں۔فیض اس علامتی اظہار سے سرمایہ دارانہ نظام کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

بہت سیہ ہے یہ رات لیکن
اسی سیاہی میں رونما ہے

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

وہ نہرِ خوں جو مری صدا ہے
اسی کے سائے میں نور گر ہے
وہ موجِ زر جو تری نظر ہے
الم نصیبوں ، جگر فگاروں
کی صبح ، افلاک پر نہیں ہے
جہاں پہ ہم تم کھڑے ہیں دونوں
سحر کا روشن اُفق یہیں ہے
یہیں پہ غم کے شرار کِھل کر
شفق کا گلزار بن گئے ہیں
یہیں پہ قاتل دکھوں کے تیشے
قطار اندر قطار کرنوں
کے آتشیں ہار بن گئے ہیں(۹)

یہ نظم فیض صاحب نے ۱۹۵۳ء کو منٹگمری جیل میں کہی جب ان کی شریک حیات ان سے ملاقات کے لیے آتی ہے، تو فیض انھیں ایک حوصلہ، ہمت اور ایک روشن صبح کی امید دلاتے ہیں۔ فیض کی نظم "یہ فصل امیدوں کی ہمدم" میں ذات کی شکستگی کی علامت ملتی ہیں، اس نظم میں انھوں نے شکست اور ناکامیوں کے بعد نئی جستجو کا جذبہ پیدا کیا ہے۔ اس نظم کا آغاز آزاد ہیئت سے ہوتا ہے بعد میں فیض نے معرا ہیئت اختیار کر لی ہے۔ یہ ایک طرح کا ہیئتی تجربہ ہے:

سب کاٹ دو
بسمل پودوں کو
بے آب سسکتے مت چھوڑو
سب نوچ لو
بے کل پھولوں کو
شاخوں پہ بلکتے مت چھوڑو
یہ فصل امیدوں کی ہمدم
اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت ، صبحوں شاموں کی
اب کے بھی اکارت جائے گی
کھیتی کے کونوں ، کھدروں میں
پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو
پھر مٹی سینچو اشکوں سے

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

پھر اگلی رُت کی فکر کرو(۱۰)

یہ نظم بھی فیض نے ۳۰مارچ۱۹۵۵ء کو منٹگمری جیل میں تخلیق کی، فیض کے یہاں جو علامتیں ملتی ہیں ان میں طبقاتی تقسیم اور سماجی کشمکش نظر آتی ہے۔ فیض کی متعدد نظمیں بغاوت سے لبریز ہیں۔ انھوں نے راستے کی رکاوٹوں اور پابندیوں کو علامت کے روپ میں بیان کیا ہے۔ فیض کی نظموں میں محبوب سے معذرت، محبت سے رست گاری اور پہلے جیسا عشق طلب نہ کرنے کا کہا گیا ہے، ان میں "مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ"، "میرے ہمدم میرے دوست"، "مرگِ سوزِ محبت"، "رقیب سے" اور "چند روز اور مری جان" اہم ہیں۔ فیض مرگِ سوز محبت اس طرح مناتے ہیں:

آؤ کہ مرگِ سوزِ محبت منائیں ہم
آؤ کہ حسنِ ماہ سے دل کو جلائیں ہم
خوش ہوں فراقِ قامت و رخسار یار سے
سرو و گل و سمن سے نظر کو ستائیں ہم
ویرانیِ حیات کو ویران تر کریں
لے ناصح آج تیرا کہا مان جائیں ہم
آؤ کہ آج ختم ہوئی داستانِ عشق
اب ختمِ عاشقی کے فسانے سنائیں ہم(۱۱)

فیض اپنے عشقیہ احساسات کو اس معاشی نظام سے وابستہ کر کے پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کے عروج کے زمانے میں بھی بھرپور عشقیہ نظمیں لکھی ہیں، انھوں نے سماجی اور معاشی موضوعات کے علاوہ جذبۂ محبت کا اظہار بڑی عمدگی سے کیا ہے۔ فیض نے اپنی نظموں میں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے ذرائع پیداوار پہ قبضہ کرتے اور کسان اور مزدوروں کو استحصال برداشت کرتے دکھایا ہے۔ انھوں نے قوم کو مجبور زندگی سے آزادی حاصل کرنے، مزدوروں، کسانوں، ادنیٰ اور متوسط طبقے کو جگایا ہے اور روایتی و فرسودہ نظام سے بغاوت کرنے کی ترغیب دی ہے۔ فیض کی نظم "رقیب سے" ملاحظہ ہو:

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت
شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ
اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے(۱۲)

فیض احمد فیض کی نظموں میں عالم گیر انسانیت اور امن کے اصولوں کو مد نظر رکھا گیا ہے۔ ان کی متعدد نظمیں اشتراکی مضامین کی تصویر کشی کرتی ہیں۔ انھوں نے اجتماعی زندگی کی تصویریں کھینچ دی ہیں۔ فیض نے حقیقت کو فن کے پردوں میں چھپا کر استعاروں، کنایوں، پیکروں، تمثیل اور علامات میں بیان کیا ہے۔ ان کے رمز و ایما کے مفہوم تک رسائی پانے کے لیے ذہنی جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ ان میں "شاہراہ"، "صبح آزادی"، "شیشوں کا مسیحا کوئی نہیں"، "زنداں کی ایک شام"، "زنداں کی ایک صبح"، "یاد"، "دریچہ" اور "در آئے دبے پاؤں" اہم ہیں۔ فیض کی شاعری انسان کی بیداری ضمیر کی صدائے بازگشت ہے۔ انھوں نے اقتدار کی مطلق العنانیت کی کھل کر مخالفت کی لیکن ان کی شاعری پروپیگنڈہ، نعرہ اور احتجاج کا لقب پانے کے بجائے شعریت کی عمدہ مثال پیش کرتی ہے۔ فیض کی نظم "کتے" ملاحظہ کیجیے:

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کتے
کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی
زمانے کی پھٹکار سرمایہ اُن کا
جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی
نہ آرام شب کو ، نہ راحت سویرے
غلاظت میں گھر ، نالیوں میں بسیرے
جو بگڑیں تو اک دوسرے سے لڑا دو
ذرا ایک روٹی کا ٹکڑا دکھا دو
یہ ہر ایک کی ٹھوکریں کھانے والے
یہ فاقوں سے اُکتا کے مر جانے والے
یہ مظلوم مخلوق گر سر اُٹھائے
تو انسان سب سرکشی بھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنا لیں
یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبا لیں
کوئی ان کو احساسِ ذلت دلا دے
کوئی ان کی سوئی ہوئی دم ہلا دے(۱۳)

فیض احمد فیض نے روایتی پیرہن میں انسانی جدوجہد، سیاسی و سماجی اور معاشی کشمکش کو نئے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی شاعری میں متعدد گوشے ہیں مگر ان سب میں زیادہ اہمیت "رنگ" کو حاصل ہے انھوں نے لفظ "سرخی" ، اس سے مشابہت اور مماثلت رکھنے والی اشیا کو اپنے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے گل، لالہ، پھول، مے ،شراب، ہونٹ، ارغوان اور عارض کی سرخی جیسے الفاظ استعمال کیے ہیں انھوں نے اپنی نظموں میں "آتش گل" جیسی خوب صورت تراکیب کئی بار استعمال کی ہیں۔ ان کے یہاں "رنگ پیرہن" پھولوں کی رنگت اور موسم گل کے لیے استعمال ہوا ہے۔ فیض نے کلاسیکی اور روایتی شاعری کے موضوعات بھی پیش کیے لیکن ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے تمام تر کلاسیکی اور روایتی الفاظ کو نیا پس منظر، سماجی زاویہ، معنویت اور منشور عطا کیا ہے۔ نظم "لوح و قلم" دیکھیے:

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے ، رقم کرتے رہیں گے
ہاں تلخیٔ ایام ابھی اور بڑھے گی
ہاں اہلِ ستم ، مشقِ ستم کرتے رہیں گے
مے خانہ سلامت ہے ، تو ہم سرخیٔ مے سے
تزئینِ در و بامِ حرم کرتے رہیں گے
باقی ہے لہو دل میں تو ہر اشک سے پیدا

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

رنگِ لب و رخسارِ صنم کرتے رہیں گے(۱۴)

فیض نے شعوری طور پر رنگوں کے پیکر تراشے ہیں۔انھوں نے تزئین در و بام،لب و رخسار،رنگ حنا،شفق کا پھوٹنا جیسی علامات سے اپنے فکر و فلسفے کا اظہار کیا ہے۔ ان کی شاعری میں یہ رومانوی حظ محض شعریت پیدا کرنے کے لیے ہے انھوں نے اپنے ظلمت بھرے دور کی تاریخ نظم کرنے کی کامیاب سعی کی ہے۔انھوں نے فارسی و عربی کی کلاسیکی شعری لفظیات مستعار لی ہیں۔ان کے یہاں چمن، آشیانہ،گل،گلشن، قفس،باغبان،بلبل،بہار،خزاں،صیاد،ناصح، قاتل، محتسب،مقتل،چارہ گر، صبح،سویرا،صحرا ،شفق،شام،رات،شب،ظلمت،سرو سمن،فیض،منصور،خار،خس اور مسیحا جیسے الفاظ ملتے ہیں۔ نظم "زنداں کی ایک صبح" ملاحظہ ہو:

شب کے ٹھہرے ہوئے پانی کی سیہ چادر پر
جابجا رقص میں آنے لگے چاندی کے بھنور
چاند کے ہاتھ سے تاروں کا کنول گر گر کر
ڈوبتے ، تیرتے ، مرجھاتے رہے ، کھلتے رہے
رات اور صبح بہت دیر گلے ملتے رہے
صحنِ زنداں میں رفیقوں کے سنہرے چہرے
سطحِ ظلمت سے دمکتے ہوئے ابھرے کم کم
نیند کی اوس نے ان چہروں سے دھو ڈالا تھا
دیس کا درد ، فراقِ رُخِ محبوب کا غم(۱۵)

فیض نے ان دو بندوں میں سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کیے ہیں شب کے ٹھہرے ہوئے پانی کی سیہ چادر پر چاندی کے بھنور کا رقص کرنا،چاند کے ہاتھوں سے تاروں کے کنول گرنا اور ان کا ڈوبنا،تیرنا،مرجھانا،کھلنا،رات اور صبح کا بہت دیر تک گلے ملنا،ظلمت سے دمکتے سنہرے چہرے اور دیس کا درد تو آسانی سے سمجھ آتے ہیں مگر انھوں نے ان الفاظ کے استعمال سے اشاریت،رمز و ایمائیت،رومانیت اور شعریت پیدا کر دی ہے۔فیض ایسے ترقی پسند شاعر ہیں جنھوں نے انقلابی آہنگ میں جمالیاتی و رومانی احساس اور جمالیاتی احساس میں انقلابی آہنگ سے ایک نیا شعری رچاؤ پیدا کیا ہے۔فیض احمد فیض کی شاعری کے کچھ رنگ رومانوی شعرا سے مماثلت رکھتے ہیں۔ان کے یہاں رومانیت اور غنائی لہجہ کی فراوانی ہے،اس بارے میں ڈاکٹر ہمایوں اشرف رقم طراز ہیں:

"فیض احمد فیض رومانی ترنگ کے ایک ایسے شاعر ہیں جو تخیل کی ایک ایسی دنیا بساتے ہیں جو ان کی اپنی دنیا ہے جس میں آلام کیف اور نغمے میں ڈھل جاتے ہیں۔فیض کی فکر بلاشبہ انقلابی ہے لیکن ان کا لہجہ غنائی ہے۔وہ ایک درد مند دل رکھتے ہیں۔انھوں نے انقلاب کے لیے غنائیت کو یا غنائیت کے لیے انقلاب کو بھی قربان نہیں کیا بل کہ اپنی غیر معمولی تخلیقی صلاحیت سے انقلابی فکر اور عاشقانہ لہجے کو ایسا آمیز کیا کہ اردو شاعری میں نئی جمالیاتی شان پیدا ہو گئی۔" (۱۶)

فیض کے اشتراکی افکار،رومانوی نہج اور غنائیت سے ہوتے ہوئے شعری پیکر میں ڈھلے ہیں۔انھوں نے غم دوراں،رخ یار اور دست عدو سے ایک جیسا عاشقانہ سلوک کیا ہے۔انھوں نے اپنی نظموں میں زندگی اور سماج کے تلخ حقائق کو سوز و گداز کے ساتھ اشعار کی صورت دی ہے۔فیض کی شاعری میں انسانی ہمدردی اور فلاح کے رنگ نمایاں ہیں۔انھیں انسانی اقدار کے کھو جانے کا بے حد افسوس ہے۔اور وہ اس کی بازیافت کے لیے ہر طرح کے مصائب جھیلنے کو تیار ہیں۔فیض انسانیت کا درد رکھتے ہیں دنیا کے کسی کونے میں بھی ظلم و استبداد ہو تو ان کا دل تڑپ اٹھتا ہے۔انھوں نے استحصالی طاقتوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور آزادی،مساوات غربت اور سماجی پستی کی بات کی ہے۔ فیض کے یہاں انسانی ہمدردی کا ٹھہرا ہوا روپ دکھائی دیتا ہے۔ان کے یہاں انسانیت کا درد اور مسائل کا ذکر نعرہ نہیں بنتا بل کہ وہ فنی اور تخلیقی جمالیات کا لحاظ بھی رکھتے ہیں۔ان

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کی شاعری میں انسان دوستی، مظلوموں سے ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود ہے۔ ان کی شاعری میں مجبوروں، مظلوموں اور کچلے ہوئے طبقے کی آہیں اور کراہیں سنائی دیتی ہیں۔ فیض خود مصلوب ہو کر انسانی درد کی بات کرتے ہیں، اس بارے میں شیر محمد حمیدر قم طراز ہیں:

> "اپنی ذات کا دکھ عالمگیر دکھ کے سامنے ہیچ اور اس آفاقی دکھ کا ایک معمولی حصہ نظر آیا۔ فیض انسان دوستی کی جس راہ پر گامزن ہوئے اس میں ہزاروں آفتوں کا سامنا تھا۔ جسم و جاں کی قربانیاں درکار تھیں۔ الحمدللہ کہ فیض کسی مصیبت کا سامنا کرنے سے نہیں ہچکچایا۔"(۱۷)

فیض نے کلاسیکی روایت کی لفظیات سے نئے معنی نکال کر انقلابی آہنگ پیدا کیا ہے۔ انھوں نے فارسی تراکیب پس زنداں، راہ وفا، جنوں، دار و رسن، سرو سمن، تمکیں، رعنا گوش، گریزاں، بست و کشاد، شعلہ رخسار اور کلفت جیسی پرانی تراکیب استعمال کیں۔ فیض کے خلاق ذہن نے اردو شاعری کو بہت سی خوب صورت تراکیب دیں۔ انھوں نے پرانی تراکیب کو نیا آہنگ یوں دیا۔ شب گزیدہ سحر، داغ داغ اجالا، سلگی ہوئی شام، غازہ کا غبار، دست صبا، ناوک دشنام، خوابیدہ چراغ وغیرہ۔ فیض نے آزاد اور معرا نظمیں تخلیق کیں۔ آزادی سے قبل فیض نے جو خواب دیکھے تھے جب وہ شرمندۂ تعبیر نہ ہوئے تو ان کو "شب گزیدہ سحر" کا نام دے دیا۔ وہ لیلائے وطن کی چاہت میں زنداں تک پہنچے۔ فیض کا مزاج رومانی تھا جب کہ ذہن انقلابی تھا۔

فیض احمد فیض کے کلام میں زندگی کے تلخ حقائق کا سمندر موجزن ہے۔ اس سمندر میں غربت کی عفریت بھی ہے اور ظلم و جبر کی طاغوتی طاقتیں بھی، حسن و جمال کی رعنائیاں بھی ہیں اور عشق و محبت کی جنوں سامانیاں بھی، غلامی و محکومی کی زنجیریں بھی ہیں اور آزادی و حریت کی شمشیریں بھی۔ فیض کی شخصیت کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کبھی مایوس و ناامید نہیں ہوئے خواہ کیسی ہی مشکل اور رکاوٹیں ہی درپیش ہوں۔ وہ آخری دم تک ہمت نہیں ہارتے اور ظلم و جبر کے خاتمے پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ فیض نے غلامانہ زندگی کی مذمت کی ہے کیوں کہ غلامی میں انسان ساری نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

فیض مشرقی پاکستان کی علاحدگی اور ۱۹۷۱ء کی بھارتی جارحیت پر تلملا اٹھے، انھوں نے اس المیہ کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اس سلسلے میں ان کی نظم "ڈھاکہ سے واپسی پر" خاصی اہم ہے۔ اس میں ہر آنکھ دوسری آنکھ سے پوچھ رہی ہے اور ہر چہرہ دوسرے چہرے کے لیے اجنبی بن گیا ہے۔ اس نظم میں شاعر چیخ چیخ کر پوچھ رہا ہے کہ یہ سب کیا ہو گیا؟ یہ سب کیسے ہو گیا:

ہم کہ ٹھہرے اجنبی اتنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی مداراتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد(۱۸

فیض کی مشرقی اور مغربی ادب پر یکساں نظر تھی انھوں نے اپنے عہد کو ایک موثر اور نمایاں انداز میں بیان کیا۔ انھیں اسلامی قدریں بھی بے حد عزیز تھیں، انھوں نے اسلامی تاریخ، تہذیب اور ماضی کی قدروں اور روایات کو نظر انداز نہیں کیا۔ ان کی شاعری رومانویت سے حقیقت پسندی کا سفر ہے جس میں ماحول اور روح عصر کی جھلک واضح دکھائی دیتی ہے۔ یاس کے وقت جب دل و دماغ پر سارے راستے بند ہو جاتے ہیں تو انسان اپنے خالق کو مدد کے لیے پکارتا ہے، فیض اپنی کربناک کیفیات کو نظم "یاس" میں بڑھتے ہوئے یاس کی اس گھڑی میں ربِ کریم سے دعا گو ہیں:

زحمتِ گریۂ و بکا بے سود
شکوۂ بختِ نارسا بے سود
ہو چکا ختم رحمتوں کا نزول

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

بند ہے مدتوں سے بابِ قبول
بے نیازِ دعا ہے ربِ کریم
(۱۹)

عرب اسرائیل کی جنگ سے متاثر ہو کر فیض نے نظم "سرِ وادیٔ سینا" لکھی جس میں اسلامی شناخت واضح کی ہے، فیض کا انداز شاعری نظم "دعا" میں ملاحظہ ہو:

آیئے ہاتھ اٹھائیں ، ہم بھی
ہم جنھیں رسمِ دعا یاد نہیں
ہم جنھیں سوزِ محبت کے سوا
کوئی بت ، کوئی خدا یاد نہیں(۲۰)

قادرِ مطلق کی حمد و ثنا فیض کی شاعری میں پیوست ہے انھوں نے اپنے دعائیہ انداز کو انقلابی معنویت سے روشناس کرا دیا ہے۔ دعائیہ انداز سے مملو انقلابی معنویت کی حامل نظم "تین آوازیں" کافی اہم ہے جو حق و باطل کی کشمکش میں تخلیق ہوئی ہے۔ فیض اس کیفیت میں خدا سے متفسر ہیں:

یا خدا یہ مری گردانِ شب و روز و سحر
یہ مری عمر کا بے منزل و آرام سفر
وہ یہ کہتے ہیں تو خوشنود ہر اک ظلم سے ہے
وہ یہ کہتے ہیں ہر اک ظلم ترے حکم سے ہے
گر یہ سچ ہے تو ترے عدل سے انکار کروں؟
ان کی مانوں کہ تری ذات کا اقرار کروں؟(۲۱)

جدید اردو شاعری میں فیض کی دعائیہ موضوعات کی حامل نظمیں انفرادیت کا شکار نظر آتی ہیں ان کے انقلابی انداز نے دعاؤں کو نئی معنویت عطا کی ہے۔ تقسیم کے بعد احمد فراز کا نام ترقی پسند تحریک کے تحت لکھنے والوں میں انتہائی معتبر ہے۔ ان پر فیض کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے بھی فیض کی طرح شاعری کو محض نعرہ بازی نہیں بنایا بل کہ شاعری کی بنیاد جمالیاتی احساس پر رکھی ہے۔ ان کی نظمیں جدید دور کے احتجاجی ادب کی عمدہ مثال ہیں۔ پاکستان میں طرح طرح کی آمریتوں نے سیاست سے کھیلا، محنت کشوں اور نچلے طبقے کے لوگوں کے حقوق کی حمایت کرنے والے ادیبوں پہ جبر روا رکھا گیا۔ انھوں نے عصری مسائل کی ترجمانی کی ہے۔ ڈاکٹر محمد قاسم بگھیو فراز کے بارے رقم طراز ہیں:

> "احمد فراز پاکستان میں ترقی پسند فکر اور خرد افروزی کے نظریات کے ساتھ منسلک اہل قلم کے اس گروہ میں شمار ہوتے ہیں، جس کی تخلیقات حسن و خیر کے فروغ اور مجبور و مظلوم طبقوں کی حمایت کی آفاقی رویوں سے عبارت ہیں۔ اس حوالے سے احمد فراز کا امتیاز یہ ہے کہ مزاحمتی رویوں کے ساتھ ساتھ اردو کی عشقیہ شاعری کی عظیم کلاسیکی روایت کے ساتھ بھی نہ صرف جڑے رہے ہیں بل کہ اس کی ثروت میں گراں قدر اضافہ بھی کیا ہے۔" (۲۲)

احمد فراز کی نظم "خیر مقدم" دراصل درباری سیاست کا ایک نوحہ ہے۔ ملاحظہ کیجیے :

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

قصیدہ نویسوں نے مل کر یہ سوچا/ کہ پھر آج وہ ساعتِ جانستاں آگئی ہے/ جب اُن سے کوئی ان کا آقا جدا ہو رہا ہے/ وہ آقا؟/ کہ جس کی مسلسل کرم گستری سے/ کوئی خادمِ خاص ہو یا کہ ادنیٰ ملازم/ کسی کے لبوں پر کبھی کوئی حرفِ شکایت نہ آیا/ وہ آقا کہ جس کی کشادہ دلی نے خزانے لٹائے/ وہ آقا کہ جس کی سخاوت نے سب کے دلوں اور دماغوں/ سے حاتم کے مفروضہ قصے بھلائے/ اگرچہ وہ نوشیرواں کی طرح شہر میں کو بکو/ بھیس بدلے نہیں گھومتا تھا/ مگر پھر بھی ہر سمت امن واماں تھا/ اگرچہ جہانگیر کی طرح اُس نے/ کوئی ایسی زنجیرِ زر قصرِ شاہی کے باہر نہ لٹکائی تھی/ جس کی ہلکی سی جنبش بھی انصافِ شاہی میں طوفاں اٹھاتی/ مگر پھر بھی ہر گھر میں عدل ومساوات کا سائباں تھا(۲۳)

فراز کی اس نظم نے اہل دربار میں تہلکہ مچادیا، انھوں نے بلند وبالا شاہی ایوانوں کے در ودیوار ہلا دیے، یہ نظم شاہی نظام پر ایک ضرب ہے، فراز بھی مساوی حقوق کے قائل تھے۔ وہ شخصی آزادی کے علم بردار تھے۔ ان کا دور ملکی انحطاط کا زمانہ تھا، ایوب خان اقتدار پر قابض تھے، محترمہ فاطمہ جناح کو شکست دی جاچکی تھی۔ ایسے دور میں فراز نے اپنی شاعری کے ذریعے علم احتجاج بلند کیا۔ اسی زمانے میں ان کی نظمیں، فنکاروں کے نام، معبود، شاخِ نہالِ غم، خود کلامی، اظہار، خودکشی، شکست، زیر لب، ہمدرد، خواب، سوال غریب شہر کے نام، پیغام بر، خدائے برتر خود غرض، وابستگی، ممدوح، اے نگارِ گل، گل شدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو، تریاق، مجھ سے پہلے، کوئی بھٹکتا بادل، زندگی اے زندگی، یہ تو ممکن ہے، پیمبر مشرق، المیہ، ملکیت تمثیل، نیند، خوشبو کا سفر، اب کے برس بھی، میں اور تو، اور افسر شاہی ادیبوں کے نام شایع ہوئیں۔ ان نظموں میں فراز نے سیاسی وسماجی حالات پر احتجاج کا نیا لہجہ استعمال کیا۔ احمد فراز کو یقین تھا کہ جمہوریت آنے سے کوئی بڑی تبدیلی آئے گی، مزدوروں اور غریبوں کو بھی ان کے بنیادی حقوق ملیں گے، سب کو یکساں مواقع حاصل ہوں گے۔ لیکن جمہوریت آنے سے صرف شب وروز بدلے منظر نامہ نہیں بدلا، ابھی تک وہ طبقاتی نظام کا دھندلکا نہیں چھٹا، وہ صبح ابھی نہیں آئی، جس کا خواب ترقی پسندوں نے دیکھا ہے، امید وبیم کے اس ماحول میں فراز نے ایک نظم "چلو اس بت کو بھی رولیں" لکھی، ملاحظہ کیجیے:

چلو اُس بت کو بھی رولیں/ جسے سب نے کہا پتھر/ مگر ہم نے خدا سمجھا/ خدا سمجھا/ کہ ہم نے پتھروں میں عمر کاٹی تھی/ کہ ہم نے معبدوں کی خاک چاٹی تھی/ کہ پتھر تو کہیں دیوارِ زنداں/ اور کہیں دہلیزِ مقتل تھے/ کبھی سرمایۂ دامانِ خلقت/ اور کبھی بختِ جنوں کیشاں/ کبھی ان کا ہدفِ دکانِ شیشہ گر/ کبھی صورت گرِ ہنگامۂ طفلاں/ کبھی بے نور آنکھوں کے نشاں/ بے شک بے راہاں/ کبھی لوحِ مزارِ جاں/ نہ چارہ گر نہ اہل درد کے درماں/ اور اب ہم بھی گرفتہ دل/ نہ محرومی کو سہہ پائیں/ نہ بربادی چھپانے کے رہے قابل/ وہ بت مرمر کی سل/ اور اہلِ سجدہ کی جبیں گھائل/ سبھی کی بات سچ/ اور ہم ندامت کے عرق میں تربتر/ شرمندگی کے کرب سے بسمل/ چلو اب اپنے جیسے نامرادوں سے ہنسیں بولیں/ جو وہ کہتے ہیں وہ بولیں/ جبیں کے داغ آنکھوں کا لہو دھولیں/ چلو اُس بت کو بھی رولیں(۲۴)

احمد فراز کے شعری مجموعہ "جاناں جاناں" میں غزلیں زیادہ اور نظمیں کم ہیں۔ اس مجموعے کی شاعری اتنی رومانوی ہے کہ گلی گلی اتنے چرچے ہوئے کہ اس کے شعروں پر لڑکیاں اپنے دوپٹے بھگو لیتی ہیں اور لڑکے ملول ہو جاتے ہیں۔ اس مجموعے کی رومانوی شاعری زندگی کی ندی میں گویا تلاطم برپا کر دیتی ہے۔ اس مجموعے میں فراز، فیض کی طرح احتجاجی رومانویت کا علم اٹھائے ہوئے ہیں۔ شاعر کو برسوں بعد کوئی دلربا شخص دکھائی دیتا ہے۔ فراز کے شعری مجموعہ "جاناں جاناں" کی نظم "یہ میری غزلیں، یہ میری نظمیں" دیکھیے، ان میں ترقی پسند فکر کس قدر نمایاں ہے اور فیض احمد فیض کا اثر واضح دکھائی دیتا ہے:

یہ میری غزلیں یہ میری نظمیں
تمام تیری حکایتیں ہیں
یہ تذکرے تیرے لطف کے ہیں
یہ شعر تیری شکایتیں ہیں
میں سب تری نذر کر رہا ہوں
یہ اُن دنوں کی ساعتیں ہیں
جو زندگی کے نئے سفر میں
تجھے کسی وقت یاد آئیں

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

تو ایک اک حرف جی اٹھے گا
پہن کے انفاس کی قبائیں
اُداس تنہائیوں کے لمحوں
میں ناچ اٹھیں گی یہ اپسرائیں
مجھے ترے درد کے علاوہ بھی
اور دکھ تھے یہ مانتا ہوں
ہزار غم تھے جو زندگی کی
تلاش میں تجھے یہ جانتا ہوں
مجھے خبر تھی کہ تیرے آنچل میں
درد کی ریت چھانتا ہوں
وہ تیرا شاعر ترا مغنی
وہ جس کی باتیں عجیب سی تھیں
وہ جس کے انداز خسروانہ تھے
اور ادائیں غریب سی تھیں
وہ جس کے جینے کی خواہشیں بھی
خود اس کے اپنے نصیب سی تھیں
نہ پوچھ اس کا کہ وہ دیوانہ
بہت دنوں کا اجڑ چکا ہے(۲۵)

احمد فراز کی معرا کی ہیئت میں لکھی ہوئی اس نظم کا رنگ و آہنگ فیض کا سا ہے، شاید انھوں نے اسی پس منظر اسی حالات کو سامنے رکھ کر لکھی تھی جو فیض کو در پیش تھے۔ انھوں نے اپنی نظموں میں جابجا قلم کی سر خروئی کا ذکر کیا ہے، انھوں نے جو دیکھا جو محسوس کیا اسے لکھا انھوں نے شاعری کے ذریعے زندگی کو عظمت اور سر فرازی عطا کی ، نظم "قلم سر خرو ہے" اس حوالے سے بڑی اہم ہے۔ وطن کا خار بھی پر دیس کے پھول سے بہتر ہوتا ہے، ترقی پسندوں نے وطن سے والہانہ محبت کی ہے، انھوں نے وطن کے نظام کی تبدیلی کے لیے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ فراز بھی فیض کی طرح وطن سے بے حد محبت کرتے تھے، ملک آزاد ہوتا ہے تو کتنے لوگ قربانیاں دیتے ہیں ، جب ملک دولخت ہوتا ہے تو قومی حمیت آتش بپا کر دیتی ہے۔ فراز نے وطن کی محبت میں ترانے اور نغمے لکھے اپنی نظموں میں مشرقی پاکستان کی علاحدگی کی مذمت کی اور اسے جسم کا دو حصوں میں تقسیم ہونا قرار دیا۔ فراز کی وطن کی محبت میں لکھی گئی ایک نظم "اے مری ارض وطن!" ملاحظہ کیجیے:

اے مری ارضِ وطن ، پھر تری دہلیز پہ میں
یوں نگوں سار کھڑا ہوں کوئی مجرم جیسے
آنکھ بے اشک ہے برسے ہوئے بادل کی طرح
ذہن بے رنگ ہے اجڑا ہوا موسم جیسے
سانس لیتے ہوئے اس طرح لرز جاتا ہوں

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اپنے ہی ظلم سے کانپ اٹھتا ہے ظالم جیسے
تو نے بخشا تھا مرے فن کو وہ اعجاز کہ جو
سنگِ خارا کو دھڑکنے کی ادا دیتا ہے
تو نے وہ سحر مرے حرفِ نوا کو بخشا
جو دلِ قطرہ میں قلزم کو چھپا دیتا ہے
تو نے وہ شعلۂ ادراک دیا تھا مجھ کو
جو کفِ خاک کو انسان بنا دیتا ہے(۲۶)

فراز نے وطن کی محبت میں متعدد لاجواب ترانے لکھے، ان کی نظموں میں وطن کی مٹی کی خوشبو آتی ہے۔ وہ ایک بے حد محب وطن شاعر تھے۔ جب وہ وطن کو بدحال دیکھتے تو ان کا دل ملول ہوتا، انھوں نے اپنی نظموں میں اپنے پورے عہد کی منظر کشی کی ہے۔ فراز نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو بھی یاد کیا ہے، انھوں نے ان جاں نثاروں کو بھی خراج تحسین پیش کیا ہے جو نئی منزل دکھاتے ہوئے قربان ہوئے۔ جب ملک پاکستان دولخت ہوتا ہے تو فراز تلملا اٹھتے ہیں انھیں اس بات کا انتہائی دکھ ہوا، انھیں ایسا لگا کہ جیسے ان کے جسم کا آدھا حصہ کٹ گیا ہو۔ فراز کہتے ہیں کہ دھوپ نے کس طرح ہمارے آنگن میں ہجر کی دیوار کھینچ دی ہے۔ ہم آدھے رہ گئے ہیں، ایسے وقت کو دیکھ کر لہو کی گردش رک جاتی ہے۔ فراز نے سقوط ڈھاکہ پر جو دیکھا جو محسوس کیا وہ نظم کر دیا، انھوں نے اس المیے کو نظم "سحر کے سورج" میں بیان کیا ہے۔ فراز مشرقی پاکستان کی علاحدگی پر سخت غم و غصہ کا اظہار کرتے دکھائی دیتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے جسم کے اب دو حصے ہو گئے ہیں، دنیا میں ہماری بڑی تحقیر ہوئی، اب کس بات کی خوشی منائی جا رہی ہے، اس طرح کی ایک اور نظم "اب کس کا جشن مناتے ہو!" دیکھیے:

اب کس کا جشن مناتے ہو
اُس دیس کا جو تقسیم ہُوا
اب کس کا گیت سناتے ہو
اُس تن من کا جو دو نیم ہُوا(۲۷)

احمد فراز نے کی نظم "بنگلہ دیش" بھی سقوط ڈھاکہ کے تناظر میں لکھی گئی ہے جو انھوں نے ڈھاکہ میوزیم دیکھ کر لکھی۔ احمد فراز نے اپنی نظموں میں عصری حالات کی زبردست عکاسی کی ہے، انھوں نے آمروں کو للکارہ، انھوں نے جمہوریت کے طبقاتی نظام کو ناپسند کیا اور انھوں نے مشرقی پاکستان کی علاحدگی کی اپنی شاعری کے ذریعے مذمت کی، ان کا شعری مجموعہ "شب خون" اسی دور میں تخلیق ہوا۔ اس مجموعہ کی تخلیق سے پہلے پاکستان دولخت ہو چکا تھا، ہمارا ایک بازو کٹ چکا تھا، تقسیم کی دھوپ ہمارے آنگن میں پھیل چکی تھی، زخم نیا نیا تھا اس تازہ درد اور المیہ میں فراز اپنی نظم "میری آنکھیں مرا چہرہ لاؤ" لکھتے ہیں:

آج کے دن / مرا چہرہ مری آنکھیں لاؤ / کہ میں آئینوں کو تکتا ہوں / تو رو دیتا ہوں / وہی آنکھیں / جو گئے سال گئی تھیں تو نہ واپس آئیں / جو سر افراز ہی لوٹی ہیں نہ بے بس آئیں / وہی چہرہ / جو شفق بن کے کِھلا تھا / نہ بنا صبح کا سورج / نہ مری شام کا پیوند ہوا / مری شعلہ بھری آنکھیں / مرا انگار سا چہرہ لاؤ / کہ مرے ہاتھ مرا دل / مرے بازو مرے ارماں(۲۸)

فراز نے یہ نظم ۱۷ دسمبر ۱۹۷۲ء کو مشرقی پاکستان کی علاحدگی کے ایک سال مکمل ہونے پر لکھی، انھوں نے بھی فیض کی طرح اپنے وطن کی عقیدت اور محبت میں متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی اپنے وطن کی سرزمین کے لیے پابند ہیئت میں لکھی گئی نظم "یہ کھیت یہ کھلیان" ملاحظہ ہو:

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

یہ کھیت ہمارے ہیں یہ کھلیان ہمارے
پورے ہوئے اک عمر کے ارمان ہمارے
ہم وہ جو کڑی دھوپ میں جسموں کو جلائیں
ہم وہ ہیں کہ صحراؤں کو گلزار بنائیں
ہم اپنا لہو خاک کے تودوں کو پلائیں
اس پر بھی گھروندے رہے ویران ہمارے
یہ کھیت ہمارے ، یہ کھلیان ہمارے
ہم روشنی لائے تھے لہو اپنا جلا کر
ہم پھول اُگاتے تھے پسینے میں نہا کر
لے جاتا مگر اور کوئی فصل اٹھا کر
رہتے تھے ہمیشہ تہی دامان ہمارے
یہ کھیت ہمارے ، یہ کھلیان ہمارے
اب دیس کی دولت نہیں جاگیر کسی کی
اب ہاتھ کسی کے نہیں تقدیر کسی کی
پاؤں میں کسی کے نہیں زنجیر کسی کی(۲۹)

احمد فراز نے نظم "اے مرے شہر" ’۱۹۶۵ء کی جنگ میں لکھی، جب فراز کے آبائی علاقے کوہاٹ پر بھارت نے وحشیانہ بمباری کی تو اس کے نتیجے میں کئی معصوم لوگ شہید ہوئے تھے، یہ نظم اس تناظر میں لکھی گئی۔ تحریک آزادی کشمیر اور کشمیر کے لیے انھوں نے دو نظمیں "یہ پرچم جاں" اور "نیا کشمیر" لکھیں۔ علاوہ ازیں "میں کیوں اداس نہیں"، "سید الشہدا"، "تیرے بعد" اور "میرے اپنے لوگو" اہم ہیں۔ اسی شعری مجموعہ میں فراز نے پانچ ترانے بھی لکھے ہیں۔ احمد فراز دیار غیر کی تنہائی میں بھی وطن کو بے حد یاد کرتے ہیں، ایسے میں ان کی وطن کی محبت کی لو اور تیزی سے بھڑکنے لگ جاتی ہے اور دل بے وطنی کا عذاب سہتا ہے۔ ان کے شعری مجموعہ "بے آواز گلی کوچوں میں" کی اکثر نظمیں وطن سے دوری اور اپنے لوگوں کے ہجر و ہجرت کا نوحہ ہیں۔ عوام کے عدم تحفظ پر فراز نے خاموشی اختیار نہیں کی بل کہ انھوں نے عدم تحفظ، غریب الوطنی، تنہائی، گھٹن، زبان کی پابندی اور خوابوں کی شکست کا ذکر اپنی نظموں میں جابجا کیا ہے۔ اس سلسلے کی ایک نظم "بن باس" ملاحظہ ہو:

میرے شہر کے سارے رستے بند ہیں لوگو / میں اس شہر کا نغمہ گر / جو دو اک موسم غربت کے دکھ جھیل کے آیا / تا کہ اپنے گھر کی دیواروں سے / اپنی تھکی ہوئی اور ترسی ہوئی / آنکھیں سہلاؤں / اپنے دروازوں کے اترتے روغن کو / اپنے اشکوں سے صیقل کر لوں / اپنے چمن کے جلے ہوئے پودوں / اور گرد آلود درختوں کی / مردہ شاخوں پر بین کروں(۳۰)

احمد فراز کی نظمیں امن، محبت اور انسانیت کا علم بلند کرتے دکھائی دیتی ہیں۔ وہ سچے لوگوں اور مظلوموں کے حامی ہیں۔ ان کی شاعری ظلم کے آگے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہونے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ وہ ظلم کی ہوا کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ وہ لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ سچ کا ساتھ دو اور جھوٹ کو بے نقاب کرو۔ "اے مرے سارے لوگو" اس سلسلے کی بڑی اہم نظم ہے۔ احمد فراز نے بھی فیض کی طرح کچھ منظوم ترجمے پیش کیے ہیں۔ ان کے شعری مجموعہ "سب آوازیں میری ہیں" میں تراجم پر مشتمل ۶۳ نظمیں ہیں۔ جن میں انھوں نے جنوبی افریقہ کی بڑی اور سچی شاعری سے پاکستانی ادب اور ادیبوں کو روشناس کرایا ہے۔

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

فراز فکری سطح پر فیض سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔ وہ ترقی پسند فکر کے بارے میں متوازن نقطۂ نظر رکھتے ہیں۔ انھوں نے فیض کی طرح جدید لہجہ کے باوجود بھی کلاسیکیت کا دامن نہیں چھوڑا۔ وہ ایسے ترقی پسند شاعر ہیں جو معاشرے کی بہتری کے لیے زندگی میں مساوات، اخوت، خوش حالی اور خیر امن کے خواہاں ہیں۔ انھوں نے محنت کش کی ناداری، بیماری، جہالت اور بدحالی کا ذکر کرتے ہوئے استحصالی طبقوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ ان کی نظموں میں زندگی کے تلخ حقائق زندہ اور متحرک صورت میں نظر آتے ہیں۔ انھوں نے عصری حقائق کی بڑے واضح انداز میں ترجمانی کی ہے مگر ان کے اسلوب کا رنگ و آہنگ منفرد ہے۔ ان کی اہم نظموں میں محاصرہ، شہر آشوب، نئی مسافت کا عہد نامہ، جانشین اور قلم سرخرو ہے شامل ہیں۔ ان کی نظموں میں انسان، وطن اور لہو کی حرمت کا احساس بلند ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ زندگی کی سچی اور واضح حقیقت نگاری کرتے ہیں اس لیے ان کی نظمیں سناں کی نوک پر بھی سچ کہتی نظر آتی ہیں۔ ان کی ایک نظم "نئی مسافت کا عہد نامہ" ملاحظہ کیجیے:

مرا لہو رائیگاں نہیں تھا/ جو میرے دیوار و در سے ٹپکا/ تو شاہراہوں تک آ گیا تھا/ جہاں کسی کو گماں نہیں تھا/ مرا لہو رائیگاں نہیں تھا/ مرے مقدر میں آبرو/ کی تمام لمبی مسافتیں تھیں/ مرے سفر میں/ حسینؑ کے سر، مسیح کے جسم/ کی سبھی دردناکیاں تھیں، اذیتیں تھیں/ نہ میری گردن میں طوق ہے/ اور نہ میرے پاؤں میں بیڑیاں ہیں/ مگر وہ کہتے/ بہت سے محکوم بے رسن ہیں/ کہ دست و پا کی کشادگی کا عذاب/ جیواں بھی جھیلتے ہیں/ پر ان کے ماتھوں کی لوح پر/ کوئی نام کندہ/ نہ اُن کے چہروں پر/ عہد نامہ کوئی رقم ہے(۳۱)

احمد فراز نے "نئی مسافت کا عہد نامہ" میں لہو کی سرخی کا ذکر کیا ہے، انھوں نے اپنے ماضی کو عصر حاضر کے روپ میں پیش کیا ہے۔ دراصل انھوں نے لوگوں کی بے چہرگی اور بے کرداری پر گہری طنز کی ہے۔ یہ نظم عہد گزشتہ کا المیہ ہے۔ اس نظم میں شاعر نے انسان میں محبت اور امن کا جذبہ بیدار کرنے کی سعی کی ہے۔ فراز انسان سے زیادہ انسانیت سے محبت کرتے ہیں جب وہ انسانیت کو خطرے میں دیکھتے ہیں تو پرانے عاشق کی طرح آہ و بکا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ ظلم و ناانصافی کے خلاف علم احتجاج بلند کرتے ہیں۔ ان کی نظمیں اب کس کا جشن مناتے ہو، سحر کے سورج، کہا نہیں تھا، محاصرہ، واپسی، میری ہجرت، عفریت، میں تیرا قاتل ہوں اور ہواؤں کی بشارت' ان کے نظریۂ فن کی مکمل تشریح کرتی ہیں۔ فراز کی نظم "واپسی" ملاحظہ کیجیے:

اُس نے کہا/ سن/ عہد نبھانے کی خاطر مت آنا/ عہد نبھانے والے اکثر/ مجبوری یا مہجوری کی تھکن سے لوٹا کرتے ہیں/ تم جاؤ/ اور دریا دریا پیاس بجھاؤ/ جن آنکھوں میں ڈوبو/ جس دل میں بھی اترو/ میری طلب آواز نہ دے گی/ لیکن جب میری چاہت/ اور میری خواہش کی لو/ اتنی تیز اور اتنی/ اونچی ہو جائے/ جب دل رو دے/ تب لوٹ آنا(۳۲)

اس نظم میں فراق و وصل کی ہلکی سی کسک پائی جاتی ہے۔ فراز کے کمال فنی مہارت سے اپنے المیہ کو معاشرے کا المیہ بنایا ہے۔ اور اس المیے میں امید کا چراغ جلایا ہے۔ فراز پوری دنیا میں جہاں کہیں بھی ظلم ہوتا ہے اُس کے خلاف آواز بلند کرتے ہیں۔ انھوں نے کشمیر کے جلتے مناظر اور فلسطین میں کشت و خون کا جو بازار گرم ہے اس کا ذکر کیا ہے، بیروت ہو یا ویت نام فراز ہر ظلم پر نوحہ کناں ہیں۔ ان کے ان نوحوں میں جذبہ بھی ہے اور ستم گر سے نبرد آزما ہونے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔ ان کی یہ فکر نظم "ویت نام" میں ملتی ہے۔ فراز نے اپنی متعدد نظموں میں سماجی طبقہ بندی کی طرف نہایت غیر جانبداری سے اشارہ کیا ہے، ان کی نظمیں "خواب مرتے نہیں" اور "مت سوچو" ان کی عمیق فکر کی اچھی عکاس ہیں۔

عہد جبر میں بولنا سب کے بس کی بات نہیں اس عہد میں متعدد آوازیں خاموش اور مدھم پڑ جاتی ہیں کیوں کہ اس عہد میں بولنا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنا ہے۔ فراز ایسے شاعر ہیں جنھوں نے آواز حق بلند کی۔ ماضی میں ایسے عہد میں کئی شعرا نے علامتوں میں بات کی، فراز نے بھی گلشن، بلبل، گل اور چراغ جیسے استعارے استعمال کر کے اپنی آواز اور مدعا عوام تک پہنچایا۔ لیکن ان کا انداز زیادہ مبہم نہیں انھوں نے دوسرے شعرا کی نسبت زیادہ سیدھا انداز اپنایا۔ فراز کے احتجاج اور مزاحمت کے لیے استعمال کیے گئے استعارے بہت واضح ہیں۔ ان کی احتجاجی آواز میں ایک وقار اور متانت ہے۔ ان کا لہجہ کاٹ دار ضرور ہے مگر اس میں ایک تہذیب ملتی ہے۔ فراز نے عہد جبر میں ایک نظم "محاصرہ" لکھی:

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

مرے غنیم نے مجھ کو پیام بھیجا ہے / کہ حلقہ زن ہیں مرے گرد لشکری اُس کی / فصیلِ شہر کے ہر بُرج ہر منارے پر / کماں بدست ستادہ ہیں عسکری اُس کے / وہ برق لہر بجھادی گئی ہے جس کی تپش / وجود خاک میں آتش فشاں جگاتی تھی / بچھا دیا گیا بارود اُس کے پانی میں / وہ جوئے آب جو میری گلی کو آتی تھی / سبھی دریدہ دہن اب بدن دریدہ ہوئے / سپر دِ دار و رسن سارے سر کشیدہ ہوئے (۳۳)

پاکستان میں فیض احمد فیض کے بعد فراز ہی ایک سچے اور کھرے شاعر ہیں جو سیدھے انداز میں حق بات کہہ دیتے ہیں۔ انھوں نے نصف صدی تک شاعری کی اور ظلم و جبر کے کئی دور دیکھے اور ہر عہد میں قلم اٹھایا۔ فراز نے مسلسل مزاحمت اور احتجاج کا علم بلند رکھا۔ وہ مظلوم، بے حال، پسے ہوئے اور دبے ہوئے طبقے کے ترجمان بن گئے۔ وہ اپنی ایک نظم "اب کے برس بھی" میں ناامیدی کا ملال کرتے ہیں، جب حالات میں بہتری کے امکانات معدوم ہو جاتے ہیں تو فراز یوں کہتے ہیں:

لب تشنہ و نومید ہیں ہم اب کے برس بھی
اے ٹھہرے ہوئے ابرِ کرم اب کے برس بھی
کچھ بھی ہو گلستاں میں مگر کنجِ چمن سے
ہیں دور بہاروں کے قدم اب کے برس بھی
اے شمعِ کرم! دیکھ کہ با وصفِ چراغاں
تیرہ ہیں در و بامِ حرم اب کے برس بھی
اے دل زدگاں! خیر مناؤ کہ ہیں نازاں
پندارِ خدائی پہ صنم ، اب کے برس بھی
پہلے بھی قیامت تھی ستم کاریٔ ایام
ہیں کشتۂ غم ، کشتۂ غم اب کے برس بھی (۳۴)

فراز کی پوری شاعری ظلم و جبر کے خلاف ہے۔ انھوں نے طبقاتی تقسیم کو یکسر رد کر دیا اور مساوی حقوق کا نظام قائم کرنے کے لیے کوشش کی۔ وہ اشتراکی حقیقت نگار تھے، انھوں نے معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کو خاص طور پر اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ فراز ایسے شاعر ہیں جنھوں نے فیض کی طرح حق اور سچ کی آواز بلند کی اس سلسلے میں انھیں متعدد مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ فراز ظلم و جبر کے سامنے نہ جھکنے کا نام ہے، انھوں نے ظلم کے ہاتھ پر بیت نہ کی، عوام کے حقوق پامال کرنے والوں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور آمروں سے برسرپیکار رہے۔ ان کی شاعری جمالیاتی شعور اور دلکش خدوخال سے مزین ہے اس لیے اسے محض کلاسیکی اور رومانی نہیں کہا جاسکتا، بل کہ ان کی شاعری عصر حاضر کا لطیف ذہنی رد عمل ہے۔ ان کی شاعری دعوت فکر دیتی ہے وہ اپنے وطن کے علاوہ پوری دنیا کے مظلوموں کے ساتھی ہیں۔ فراز کے کلاسیکی دروبست اور شعر کے فنی محاسن نے ان کے حرفِ احتجاج کو کبھی عریاں نہیں ہونے دیا۔ فراز کے بارے میں احمد ندیم قاسمی لکھتے ہیں:

> "فراز کی شاعری میں بیشتر یقیناً حسن و عشق کی کارفرمائیاں ہیں اور یہ وہ موضوع ہے جو انسانی زندگی میں سے خارج ہو جائے تو انسانوں کے باطن صحراؤں میں بدل جائیں، مگر فراز تو بھرپور زندگی کا شاعر ہے۔ وہ انسان کے بنیادی جذبوں کے علاوہ اس آشوب کا بھی شاعر ہے جو پوری انسانی زندگی کو محیط کیے ہوئے ہے۔ اس نے جہاں انسان کی محرومیوں، مظلومیتوں اور شکستوں کو اپنی غزل و نظم کو موضوع بنایا ہے، وہیں ظلم و جبر کے عناصر اور آمریت و مطلق العنانی پر بھی ٹوٹ کر برسا ہے۔۔۔۔۔ یہ دونوں پہلو زندگی کی حقیقت کے پہلو ہیں اور حقیقت ناقابل تقسیم ہوتی ہے۔" (۳۵)

فراز کی نظمیں حسن و عشق کی منازل سے گزر کر انقلاب کی للکار بنتی دکھائی دیتی ہیں چوں کہ وہ انسانی جذبوں کی گہرائیوں سے واقف ہیں اس لیے ان کی انقلابی آواز اثر رکھتی ہے۔ انھوں نے نعرہ زنی نہیں کی بل کہ سلیقہ مندی سے اظہار کیا ہے۔ فراز کی شاعری سیاسی نقطۂ نظر اور اخلاقی نوعیت کی ہے۔ انھوں نے گرد و پیش کی زندگی کی

Vol.4No.2 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ناہمواریوں اور سفاکیوں کی تلخ نوائی کو بیان کیا ہے۔ ان کی نظمیں عشق و محبت کے احساس، ظلم و جبر، سیاسی آمروں اور سماجی ناانصافی کے خلاف احتجاج سمجھی جاتی ہیں۔ فراز کو رومانوی اقدار سے لگاؤ تھا لیکن انھوں نے سیاسی، سماجی قدروں اور ظلم و جبر کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے اور انسان کی عظمت کی برابری کے لیے خدا سے دعا کی ہے۔ نظم "میں اکیلا کھڑا ہوں" اس کی اہم مثال ہے:

پیمبر! / تری بارگاہِ معلّٰی میں / عصیاں کے انبار سے سرنگوں / اک گنہگار کھڑا ہے / نہ اس کے بدن پر عباو قبا ہے / نہ ہاتھوں میں تسبیح کا سلسلہ ہے / نہ ماتھے پہ محرابِ داغِ ریا ہے / اے دائمی حکمتوں کے پیمبر / کہ انسان سارے برابر ہیں / ان میں کوئی کم نسب کوئی برتر نہیں ہے(۳۶)

فراز نے نام نہاد مذہبی راہنماؤں کی برتری تسلیم نہیں کی، وہ جابر قوتوں کے خلاف جہاد کا عزم رکھتے ہیں اور یوں دعا گو ہیں:

پیمبر! / مجھے حوصلہ دے / کہ میں ظلم کی قوتوں سے / اکیلا لڑا ہوں / کہ میں اس جہاں کے جہنم کدے میں / اکیلا کھڑا ہوں(۳۷)

فیض احمد فیض اور احمد فراز کی نظموں میں فکری حوالے سے اشتراکات بدرجہ اتم موجود ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ شاید یہی ہے کہ احمد فراز، فیض احمد فیض کی فکر اور نظریے سے کافی متاثر تھے۔ فراز نے متعدد نظمیں فیض کے انداز میں کہی ہیں۔ ان کی کئی نظمیں ہیئتی اور فکری دونوں اعتبار سے فیض کی نظموں کے رنگ میں ہیں۔ فراز کی معرا اور پابند ہیئت کی بیشتر نظموں میں فیض کا اسلوب اور ڈکشن نظر آتا ہے۔ فراز کی فیض کے انداز میں کہی ہوئی نظموں میں نظم "گلشدہ شمعوں کا ماتم نہ کرو" سب سے اہم ہے۔

حواشی:

۱۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبہ کارواں، س۔ن)، ص:۶۱

۲۔ ایضاً، ص:۸۱

۳۔ ایضاً، ص:۱۰۷

۴۔ نگہت ناہید ظفر، انگریزی رومانوی شعرا کے اردو شاعری پر اثرات، (لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، ۲۰۱۵ء)، ص:۲۴۷

۵۔ ایضاً، ص:۱۳

۶۔ ایضاً، ص:۷۱

۷۔ آغا سہیل، ڈاکٹر، ادب اور عصری حسیت، (لاہور: مکتبہ عالیہ، سن۔ن)، ص:۲۱۴

۸۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبۂ کارواں، س۔ن) ص:۱۰۸

۹۔ ایضاً، ص:۲۴۷، ۲۴۶، ۲۴۵

۱۰۔ ایضاً، ص:۲۷۹، ۲۷۸

۱۱۔ ایضاً، ص:۷۸، ۷۷

۱۲۔ ایضاً، ص:۷۰

۱۳۔ ایضاً، ص:۸۰، ۷۹

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۲۰، ۱۱۹

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۸۲، ۱۸۱

۱۶۔ ہمایوں اشرف، ڈاکٹر، مضمون، فیض کی شاعری میں غنائی رومانیت، مشمولہ، معاصر اردو شاعری اور فیض احمد فیض، مرتبین، ڈاکٹر فرزانہ اسلم، ڈاکٹر ابو بکر رضوی، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۴ء)، ص:۱۲۹، ۱۲۸

۱۷۔ شیر محمد حمید، دیباچہ، شام شہریاراں، مشمولہ، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبۂ کارواں، س۔ن)، ص:۵۰۱

۱۸۔ فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، (لاہور: مکتبۂ کارواں، س۔ن)، ص:۵۲۷

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol.4No.2 2021

۱۹۔ ایضاً،ص:۴۶

۲۰۔ ایضاً،ص:۴۲۳

۲۱۔ ایضاً،ص:۶۱۸

۲۲۔ محمد قاسم بگھیو،ڈاکٹر،پیش نامہ،احمد فراز شخصیت اور فن،(اسلام آباد:اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۱۶ء)

۲۳۔ احمد فراز،شہر سخن آراستہ ہے(کلیات)،(اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء)،ص:۸۵،۸۴

۲۴۔ ایضاً،ص:۴۳۲،۴۳۱،۴۳۰،۴۲۹

۲۵۔ ۴۶۶،۴۶۴،۴۶۳

۲۶۔ ایضاً،ص:۶۰۴،۶۰۳

۲۷۔ ایضاً،ص:۴۸۵

۲۸۔ ایضاً،ص:۶۵۹،۶۵۸

۲۹۔ ایضاً،ص:۶۶۴،۶۶۳

۳۰۔ ایضاً،ص:۸۳۱

۳۱۔ ایضاً،ص:۹۶۴،۹۶۲

۳۲۔ ایضاً،ص:۹۷۶

۳۳۔ ایضاً،ص:۹۱۵،۹۱۴

۳۴۔ ایضاً،ص:۳۲۲،۳۲۱

۳۵۔ احمد ندیم قاسمی،دیباچہ ،خواب گل پریشاں ہے،مشمولہ،شہر سخن آراستہ ہے(کلیات احمد فراز)،(اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء)، ص:۱۲۸۸

۳۶۔ احمد فراز،شہر سخن آراستہ ہے(کلیات)،(اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء)،ص:۵۸۹،۵۸۸

۳۷۔ ایضاً،ص:۵۹۰

ماخذ:

آغا سہیل،ڈاکٹر۔ادب اور عصری حسیت۔لاہور:مکتبہ عالیہ،س۔ن۔

احمد فراز۔شہر سخن آراستہ ہے(کلیات)۔اسلام آباد:دوست پبلی کیشنز،۲۰۰۴ء۔

فرزانہ اسلم،ڈاکٹر،ابو بکر رضوی،ڈاکٹر،مرتب۔معاصر اردو شاعری اور فیض احمد فیض۔دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،۲۰۱۴ء۔

فیض احمد فیض۔نسخہ ہائے وفا۔لاہور:مکتبہ کارواں،س۔ن۔

محمد قاسم بگھیو،ڈاکٹر۔احمد فراز شخصیت اور فن۔اسلام آباد:اکادمی ادبیات پاکستان،۲۰۱۶ء۔

نگہت ناہید ظفر۔انگریزی رومانوی شعرا کے اردو شاعری پر اثرات۔لاہور:پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی،۲۰۱۵ء۔